بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جارحیت و ظلم کسی بھی شکل میں، اور کسی بھی پیمانے پر ہو، افراد کے لیے وجہِ عذاب اور معاشرے کے لیے باعثِ فساد ہے۔ جتنے بگاڑ، جتنی خرابیاں، جتنے ظلم اور جتنے جرائم انسانیت کو از آدم تا ایندم پیش آئے ہیں، ان کا مرکزی اور بنیادی سبب یہی تھا۔

جارحیت و ظلم انسانی جان کے خلاف، انسانی مال و املاک کے خلاف، انسانی عزت و غیرت کے خلاف اور انسانی حقوقِ آزادی و امن کے خلاف دنیا کے گوشے گوشے میں آج زندگی کو جہنم بنائے ہوئے ہے۔ جارحیت و ظلم کی ایک اور بڑی شکل یہ ہے کہ لوگوں کے اپنے پسندیدہ طرزِ فکر اور مدتوں سے ان کے ذہنوں سے سازگاری رکھنے والی تہذیب کو تباہ کر کے کوئی دوسری ان کی مرضی کے خلاف ان پر ٹھونس دی جائے۔ جس تہذیب کو ایک عمارت کی طرح صدیوں کی قربانیوں سے اپنی روایات و اقدار کے ذرات کو جوڑ جوڑ کر تعمیر کیا ہو اُسے کھلے جبر سے بھی اور خود اُن کے ہتھوڑے، دوں ہمت اور خوگرانِ غلامی کو جادو کے زور سے اپنی کٹھ پتلیاں بنا کر اُن کے ہاتھوں سے تڑوا کر کھنڈر بنوایا جائے اور پھر ملبہ ہٹا کر اپنی تہذیب کا ایک خوشنما زندان اسی جگہ تعمیر کر کے لوگوں سے کہا جائے کہ اس میں رہو بسو اور عیش کرو۔

قدیم بادشاہوں بلکہ قبیلوں کے دور سے انسان اس تلخ تجربے کو بھگتتا چلا آرہا ہے کہ اس سے اس کے مقاصد، اس کی روایتیں، اس کے شعائر اور اس کی قدریں چھین کر اس کی سابق اجتماعی شخصیت کو ختم کر کے اسے نئی اجتماعیت کے رتھ میں جوت لیا جاتا ہے۔ اس عمل کی لپیٹ میں مذہب تک آتے رہے، جب کہ معاشرت و تمدن تو پھر ثانوی چیزیں ہیں۔ ایک علاقے کی آبادی نے اپنی جنگی

طاقت سے کام لے کر دوسرے علاقے والوں کی مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کو ختم کر دیا، ایک قوم نے دوسری قوم کے تہذیبی وجود کا صفایا کر دیا اور ایک قبیلے نے دوسرے قبیلے کے روایات و اقدار کا نظام توڑ پھوڑ دیا۔ تاریخ انسانی مظلومیت اور تباہی کی ایسی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔

تاریخِ عہدِ رفتہ تو کیا، آج کے عقل پرستانہ دور میں تہذیبی قتل اور تہذیبی غلام سازی کا یہ کام دھڑلے سے ہو رہا ہے اور اس میں پیش پیش وہ بڑی قوتیں ہیں جو خداوندانِ تہذیب ہونے کے مدعی ہیں۔

تہذیبی حملہ دنیا بھر کے مسلمانوں پر سب سے زیادہ سخت ہے۔ مغربی امپیریلسٹ طاقتوں نے جب مسلمانوں کے خلاف جبر کی تلوار اٹھائی تو حروبِ صلیبی کے بعد انہیں از سرِ نو تجربہ ہوا کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی چیز ہے جو ان کو حملہ آور قوتوں کے آگے سر جھکانے اور ان سے سازگاری کرنے سے روکتی ہے اور ان میں جداگانہ وجود کا احساس اور جذبہ جہاد بیدار کرتی ہے۔ کمزور ہونے کے باوجود مسلمان اقوام نے اپنے دینی قائدین کی کمان میں ہر جگہ شدید مزاحمت دکھائی اور جب اس مزاحمت کو ظاہری طور پر کچل دیا گیا تو پھر وہ تحریک آزادی کی شکل میں ڈھل گئی۔ مسلمانوں کی تحریکاتِ آزادی میں بھی ان ہی دینی جذبات و احساسات کا بہت زیادہ حصہ ہے۔

اس تجربے کے نتیجے میں مغربی استعمار نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اسلام کے خلاف انہیں معرکہ آرائی کرنی ہے۔ اور دینی رہنماؤں کے خلاف انہوں نے "ملا" اور "وہابی" اور "جنونی" (اور اب بنیاد پرست) کی گالیاں وضع کیں اور "جہاد" کو ایک وحشیانہ تصور قرار دیا۔

اِس معرکے میں ایک طرف ان کے مستشرقین نے قرآن اور رسولؐ اور احادیث کے خلاف "محققانہ" پیرائے میں اعتراض اٹھائے۔ دوسری طرف پادریوں نے اسلامی عقائد اور احکام کے خلاف مناظروں کا محاذ کھول دیا۔ تیسری طرف ایک ایسا نظامِ تعلیم وضع کیا اور اس کے لیے ایسی نصابی کتب رائج کیں کہ ان کو پڑھ کر ذہنوں میں اسلام کے خلاف بغاوت پیدا ہو جائے۔ ساتھ ساتھ مغرب سے علمی اور ادبی و تفریحی لٹریچر کی درآمد زور پکڑ گئی اور لائبریریاں اس سے بھر گئیں۔ اتنا ہی نہیں ایک خاص

لباس اور رہنے کے آداب و اطوار رائج کیے تاکہ مسلمانوں کا وہ تہذیبی ڈھانچہ ٹوٹے جو انہیں ایک قلعے کا سا کام دیتا ہے۔ ان کو سیاست میں پیچھے دھکیل کر اور معاشی محرومی میں مبتلا کرکے سخت دباؤ ڈالا گیا۔ ان کے سامنے روٹی اور نوکری کے دروازے آہستہ آہستہ بند کرکے کہا گیا کہ اگر ان کے اندر آنا چاہو اور ترقی کرنا چاہو تو ہمارا ذہنی اور تہذیبی رنگ اختیار کرو۔

یہ تجربہ لمبا عرصہ چلتا رہا، کچھ کچے لوگوں نے فوراً ہی سر جھکا دیئے، کچھ اس سارے چکر کو سمجھ ہی نہ پائے اور "کچھ یوں اور کچھ دوں" کی حیثیت اختیار کرلی، کچھ نے حملے کو سمجھنے اور ناپسند کرنے کے باوجود اضطرار اور مجبوری کی بنیاد پر سچ سچا کر فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا مگر آگے چل کر وہ کانِ نمک میں حل ہوگئے۔ لیکن ہماری قوم میں شاہ ولی اللہ کے دَور سے لے کر علامہ اقبال تک ایسے اہلِ دین و دانش خاصی موثر قوت کی حیثیت سے موجود رہے کہ جنہوں نے فکری، تعلیمی، سیاسی اور معاشرتی و تہذیبی سارے میدانوں میں حملہ آور قوت کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور خوب خوب جانفشانیاں کیں۔ اور انہی کے کیے ہوئے کام کی وجہ سے آج لوگوں میں کفر کی مخالفت اور باطل کی مزاحمت کے ساتھ ساتھ مغرب پرستی کے مقابلے کا جذبہ برسرِعمل ہے۔ آخری محاذ مولینا مودودیؒ نے کھولا۔

اس لمبے معرکے میں اگرچہ لادینیت کو پھیلانے، اسلام سے عملی انحراف کو عام کرنے اور لوگوں میں فکری بحران و انتشار کا عالم پیدا کرنے میں مغرب کے تہذیبی سامراج نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں، مگر ایک قوم کے مجموعی دینی و تہذیبی وجود کو توڑا نہیں جاسکا۔ اس معاملے میں خاصی کاوشوں کے بعد ہمارے دشمنانِ تہذیب اس نتیجے تک پہنچے کہ جب تک گھروں کے ادارے قائم ہیں اور تہذیبی سرچشیوں کی حیثیت سے ان کی نگرانی کے لیے خواتین اپنی کل وقتی خدمات صرف کرتی ہیں۔ اس وقت تک مسلمان قوم کے جذبات، اس کے شعائر، اس کی روایات اور اس کی قدروں کی تباہی کا کام سرانجام نہیں دیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو خدا پرستانہ تہذیب سے ہٹا کر مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب کا شکار بنانے

کے لیے اشد ضروری ہے کہ گھروں کے اداروں کو اُجاڑ دیا جائے۔ اور عورت کو گھر سے نکال کر معاشرے کے لیے ایک پرابلم اور کھیل تماشا بنا دیا جائے کہ جس کی زد میں آکر دل و نگاہ کی پاکیزگی ختم ہو جائے۔ بدن پرستانہ تمدن پہلے پھلے پھولے اور جنسیت کا طوفان اُمڈ آئے۔ اس کے بعد اسلام تو کیا کسی بھی تصورِ حیات کی جڑیں نہیں لگ سکیں[1]

سو مادہ پرستانہ قوتوں کے سامراج کا یہ آخری حملہ جو ہم پر کئی برس پہلے شروع ہوا تھا، اب بڑے زور پر آگیا ہے۔

لادینیت پسندوں کے دل و دماغ پہلے ہی سے مفتوح ہیں، نفسانیت زدہ حضرات بھی پرانے اسیرانِ دام ہیں۔ سوشلسٹ بھی مادہ پرستانہ تہذیب کے نقیب ہیں، اب خداوندانِ مغرب کچھ خواتین کو بھی ماڈرن ازم اور کھلی سوسائٹی کی دلدادہ بنا کر میدان میں لے آئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شامل خواتین اور ویمن ڈویژن کی خواتین اور اپوا اور ایسے دوسرے اداروں کی خواتین، اس صف کے پیچھے جاگیردار طبقہ دولت مند طبقہ، لادینیت پسند طبقہ اور بیوروکریسی کا طبقہ سب کے سب جمع ہیں۔ آتش بار برف کی یہ چٹان جتنی پانی کے اوپر دکھائی دے رہی ہے اس سے گیارہ گنا زیادہ یہ پانی کے نیچے ہے۔

---

[1] جن اصحاب کی نظر اسلام کے متعلق جدید مستشرقین کے لٹریچر پر ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہلِ مغرب کو یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ اسلام یکایک اُٹھے گا۔ اور ان کے مادہ پرستانہ افکار اور رویوں کے طلسم کو توڑ دے گا۔ اور ان کی باطن گندی تہذیب کے سکائی سکریپر زمیں بوس ہو جائیں گے اس خطرے کے سدِ باب کے لیے اہلِ مغرب کتابوں اور جرائد کے ذریعہ فکری حملہ کرنے میں محو ہیں، اس مقصد کے لیے وہ "ایڈ" کو ذریعہ بنا کر حکمران طبقوں اور افسر شاہی کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہاں مذہبی جنونیوں کو نہ اُٹھنے دیں۔ اس مقصد کے لیے وہ عورتوں کو گھروں سے باہر لا کر معاشرتی اور اخلاقی فضا کو بگاڑنا چاہتے ہیں اور ہم مسلمان ہیں کہ دشمن کے تحریری اعلانات کے باوجود اس کے منصوبوں کو سمجھے بغیر اپنے خلاف اس کی طرف سے معرکہ آرا ہیں۔

یہ ہے مغرب کے تہذیبی سامراج کی فتح کردہ اور خرید کردہ اور مسحور کردہ وہ فوج جو اسلامی تہذیب کے پاسداروں کے خلاف دشمن کے ساتھ ہو کر معرکہ آرا ہے۔ وہی ذہنیت، وہی دلائل، وہی انداز و اطوار، لہٰذا "من انداز قدت را می شناسم"۔

یہ معرکہ ہر مسلم ملک میں اسی طرز پر لڑا گیا ہے، کہیں معاملہ آگے جا چکا ہے اور کہیں ابھی پیچھے ہے۔ ہر جگہ رُخ ایک ہی ہے، یعنی سیکولرازم، مخلوط معاشرہ، اور مردوں کے دوش بدوش بیرون خانہ کی سرگرمیوں کی دلدادہ عورت کا ترکِ پردہ اور ترکِ خانہ — ہمارے مسلمان ملکوں کے زرّیں کارنامے یہاں تک پہنچے کہ مغرب نے اپنے شاگردوں کے ذریعے امتناعِ پردہ کا قانون بنا کر داخلی جبریت کے ذریعے خارجی حملے کو کامیاب کرایا۔ یہی تجربہ اب پاکستان میں دہرانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ شاید اس سلسلے میں اس بار سیکولرازم اور لادینیت اور مغرب پرستی کا حملہ اُس سے پچاس گنا زیادہ زوردار ہو جیسا پاکستان بننے کے بعد دستور کو اسلامیت سے دُور رکھنے کے لیے کیا گیا تھا۔

مادہ پرستانہ فکر پر چلنے والے معاشروں میں عورت کے معاملے میں تغیرات کا لمبا سفر قدم بہ قدم طے ہوا ہے، جیسے یہاں ہو رہا ہے۔ پہلے یہ جھگڑا کہ گھر میں رہنے کی پابندی کیوں! پھر یہ قضیہ کہ پردہ کیوں؟ پردہ ضروری ہے بھی تو برقع کیوں اور چادر کیوں نہیں؟ پھر چادر غائب، علامتی دوپٹہ باقی۔ آخر میں سر ڈھانپنا بھی مردوں کی جبریت ہے، لہٰذا دوپٹہ بھی رخصت۔ دوپٹے کے بعد اب لباس کے دوسرے اجزا معترضِ فیشن کی زد میں ہیں اور اس "ترقی" کی آخری منزل وہ جامہ ہے جس کا نہیں اُلٹا، سیدھا!

اسی طرح دوسرے رُخ سے پہلی یہ آواز کہ ہمیں بھی علمی اور دینی مجالس سے فائدہ اُٹھانے کا حق ہے، پھر یہ جھگڑا کہ آخر ہم تنے ہوئے لمبے پردے کے پیچھے کیوں بیٹھیں؟ وہ پردہ اُٹھا یا گیا تو پھر لڑائی برقعے کے خلاف کہ آخر اس طرح لپٹ لپٹا کر بیٹھنے کی کیا ضرورت کہ پوری آکسیجن[1] بھی نہ ملے، پھر

---

[1] معلوم نہیں ہر سال برقع پوش خواتین میں سے ہر سال کتنی فیصد تعداد آکسیجن کی کمی کی وجہ سے دم توڑ دیتی ہوگی!

کھلے بندوں بیٹھنے کے بعد یہ اعتراض کہ ہماری نشستیں الگ کیوں ہوں، ہم تو مردوں کے اندر گھل مل کر (شانہ بشانہ) بیٹھیں گی۔ پھر یہ سوال کہ صرف دینی اور علمی مجالس ہی تک بات محدود کیوں؟ ثقافتی کھیل تماشوں اور میچوں سے لطف اندوزی کیوں نہیں؟ پھر تماشا کرنے کی محدودیت کب تک خود تماشا بننے کا حق کیوں نہیں؟

اس طرح یہ سفر بعینہٖ انہی خطوط پر ہو رہا ہے جن پر مادہ پرست معاشروں میں ہوا۔ اور اس کے آگے کے مراحل بھی بالکل وہی ہوں گے جو دنیا بھر کے معاشروں میں آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔ کیا ان مراحل و منازل کو دیکھ کر مسلم خاتون کو عبرت نہیں مل سکتی؟

میں پوچھتا ہوں: کیا تم لوگوں کو یہ پسند ہے کہ یہاں آزاد محبت کا دور چلے؟ یہاں حرام اولادیں ہوں؟ بات بات پر طلاقیں ہوں اور طلاق کی سالانہ شرح بڑھتی ہی چلی جائے؟ یہاں ماں باپ، بہن بھائیوں اور خاندان کے بزرگوں سے آزاد لڑکیاں جنس مقابل میں "دوست" تلاش کریں اور ان کے ساتھ تجرباتی طور پر برسوں اور مہینوں کے لیے یک جائی رہائش اختیار کریں؟ پارکوں میں ادنیٰ ایٹر قسم کے جنسی عمل کے مظاہرے ہوں، خوبصورت لڑکیوں کو سرمایہ دار دولت کی قوت سے خرید کر شو بزنس اور نائٹ کلبوں اور شراب خانوں میں استعمال کرے؟ عورت کا استحصال کرنے والے جرائم اور جاسوسی اور کاروباری تشہیر میں اس سے ظالمانہ فائدہ اٹھائیں؟ حکومت کے بڑے محکمے اور کاروباری فرمیں اپنے مہمانوں کی تواضع کا سامان بنانے کے لیے ان کو خرید رکھیں؟ قانونی جواز کے ساتھ ہم جنسی کی شادیاں ہوں، ماں بہن اور دیگر محرمات کے احترام کا معروف طور پر خاتمہ ہو جائے؟ پھر حال یہ ہو کہ اس جنسی فراوانی کے باوجود جبری بدکاری کے واقعات بھی بڑھتے جائیں اور نیویارک جیسے شہر میں کسی عورت کے لیے مغرب کے بعد سڑکوں پر خیریت سے چلنا پھرنا ممکن نہ رہے۔

مغرب نے عورت کا ایسا ہمہ جہتی استحصال کیا ہے اور اسے اس بری طرح رگیدا ہے کہ اس کا وجود ہمہ تن ایک نقشِ عبرت ہے۔

معلوم نہیں، ہمارے لوگ کس چیز پر ریجھے جا رہے ہیں۔

بہر حال مختلف جزئی بحثوں میں پڑنے کے بجائے ہم جاگیرداری اور افسر شاہی سے تعلق رکھنے والی خواتین اور ان کے پشت بانوں سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دو میں سے ایک راستہ اپنے لیے طے کرلیں۔

ایک راستہ یہ ہے کہ آپ مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب کے تقاضوں کے آگے سر جھکا دیں اور جو کچھ وہاں رائج ہے اُسے اپنے اوپر طاری کرلیں۔ شروع سے آخر تک جتنے بھی مراحل اس سفر ترقی کے ہو سکے ہیں ان سب کو شرحِ صدر سے قبول کرلیں جیسے کوئی کسی مذہب پر ایمان لاتا ہے۔

یہ صورت اگر پسند ہو تو پھر ہرگز کوئی ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ اسلام کو بیچ میں گھسیٹا جائے، اس کے نصوص کو مسخ کیا جائے، اس کے اُصول میں تحریف کی جائے اور اس کے احکام کا رنگ تبدیل کرکے یہ بے تُکی بات ثابت کی جائے کہ مغربی تہذیب کا ہر جزو عین اسلامی ہے اور جو کچھ وہاں ہو رہا ہے، قرآن اور حدیث کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر کیا جا رہا ہے۔ اس طرح کی باتوں سے اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں، بے کار کی بحثیں اُٹھتی ہیں، اس کا نتیجہ سوائے فکری بحران کے کچھ نہیں۔

آپ اگر مغرب کے تہذیبی حملے کے سامنے سرنگوں ہونے ہی کو باعثِ فلاح و عزت سمجھتی ہیں تو براہ کرم! اسلام کو آپ معاف فرمائیں۔ اسلام کو پہلے ہی لادینیت پسندوں، انحراف پسندوں اور مفاد پرستوں نے اتنے زخم اور چرکے دیئے ہیں کہ اب مزید آپ کی کسی نوازش کی اسے ضرورت نہیں۔ آپ یہ بھول جائیں کہ اسلام کوئی دین ہے، اس کی کوئی کتاب ہے، اس کو کسی رسولؐ نے پیش کرتے ہوئے نمونہ قائم کیا، اسلام نے کوئی سوسائٹی بنائی تھی اور اس نے عورتوں کو کوئی خاص کردار دیا تھا۔ اسلام کے اندر سے غیر اسلامی رجحانات برآمد کرنے کی مساعی جس طرح کی ژولیدگی اور جس طرح کی بے تکی بحثوں کو پیدا کرتی ہیں، آخر کیا ضرورت ہے کہ پاکستان کو ایسی چیزوں کا شکار بنایا جائے۔

دوسری راہ یہ ہے کہ آپ پہلے سے یہ طے کر لیں کہ ہم مسلم خواتین ہیں، ہمارا دین اسلام ہے اور ہماری خدا پرستانہ اخلاقی تہذیب اس دین کے اصول و اقدار پہ استوار ہے۔ ہم دنیا سے اپنا جداگانہ تہذیبی وجود رکھتی ہیں، ہمارا تصورِ نسائیت اور تصورِ ازدواج اور نظریۂ رابطۂ مرد و زن بالکل دوسرا ہے۔ ہم دوسروں کے طور طریقوں کا جوا اپنے کندھوں پر لدنے نہیں دیں گی، بلکہ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم اپنے استدلال اور اپنے کردار کے زور سے اپنی تہذیب اور اپنے تصورِ نسائیت کو خدا ناشناس معاشروں کے سامنے بغیر کسی احساسِ کہتری کے پیش کریں۔

اس صورت میں صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ آپ صرف مساواتِ مرد و زن اور پردے اور نوکریوں ہی کے معاملے میں نہیں، بلکہ ساری زندگی کے متعلق یہ طے کر لیں کہ آپ کو پیروانِ اسلام کی حیثیت سے زندگی گزارنی ہے۔

پھر یہ کہ آپ یہ بھی فیصلہ کر لیں کہ آپ اسلام کو اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کے غلط مسلک کے بجائے یہ صحیح رویہ اختیار کریں کہ اسلام کے اصول و احکام کو اس شکل میں سمجھنے کی کوشش کریں جس شکل میں وہ دیئے گئے ہیں۔ ان کی ان تعبیرات کو مستند سمجھیں جو نبی اکرمؐ کے قول و فعل سے بدیہی طور پر ثابت ہوں۔ بعد ازاں آپ مسلمانوں کی اس سوسائٹی کے طور و اطوار اخذ مدعا کریں جسے حضورؐ نے خود لمبی تربیت سے کر تیار کیا تھا۔ خاص طور پہ خواتین کے متعلق حضورؐ کی تعلیمات و تلقینات کا صدقِ دل سے احترام کریں[1] اپنے مقابلے میں ان تمام لوگوں کو ترجیح دیں،

[1] یہاں دنیا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی وحی اور پیش کردہ سنت اور حضورؐ کی تعلیمات و تلقینات کو جو لوگ کھیل تماشا بناتے ہیں اور حضورؐ کے فرمودات کے متعلق طرح طرح سے مین میخ نکالتے ہیں ان کو متنبہ رہنا چاہیے کہ قیامت کے دن شفاعت کی درخواست لے کر حضورؐ ہی کے سامنے جانا ہوگا اور جس کسی نے دنیا میں حضورؐ کی لائی ہوئی کتاب اور اس کی تشریح کرنے والی سنت کے معاملے میں ادب و وفا سے کام نہ لیا، وہ شفاعت یاب ہونے والے زمروں میں شریک نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح جو لوگ حضورؐ کی عطا کردہ معاشرت و تہذیب کے بالمقابل دشمنانِ حضورؐ کی معاشرت و تہذیب کو قبول کرتے ہیں وہ آخرت میں کیسے حضورؐ کے اربابِ وفا میں جگہ پا سکیں گے!

جنہوں نے خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنّت اور خواتینِ صحابیات کے طرزِ عمل کو زیادہ تفصیل و جامعیت سے سمجھا ہو۔ چاہیں تو وہ آپ بھی اس اساسی علم ہدایت پہ حاوی ہو سکتی ہیں۔

اسلام ہو تو بس پھر اسلام ——— اسلام اور غیر اسلام کے مرکبات کا کوئی سوال نہیں!

کاش کہ ایسی سلیم الطبع خواتین بھی جدید طبقوں میں موجود ہوں جو اس دو ٹوک روش کو اختیار کر سکیں۔

آخر میں مجھے اپنے ان تمام دوستوں کو جو مصنف و محقق ہیں یا ادیب و صحافی ہیں، علمی ادارے یا اخبارات یا مکتبے چلا رہے ہیں، یا وہ جو انفرادی طور پر کام کر رہے ہیں۔ وہ ہر طرف سے نگاہیں ہٹا کر اپنے ہاں کی خواتین کو خداوندانِ مغرب کی ساحری سے بچانے کے لیے ہر سطح پر اور ہر دائرے میں مؤثر کام کریں۔ دوسرے کام اگر کچھ دیر کے لیے مؤخر کرنے پڑیں تو مؤخر کر دیں۔ کیونکہ موجودہ صورتِ حالات کو لادینیت پسندوں نے اپنے لیے سازگار پا کر پریس کے بھرپور تعاون سے اسلام کے خلاف یہ مہم شروع کر دی ہے کہ اسے بطور نظامِ حیات اور نظامِ تہذیب کے پاکستان میں اُبھرنے نہ دیا جائے۔ اس مہم میں باہر کی بڑی بڑی اسلام دشمن سامراجی قوتیں ان کی پشت پر ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ اس مرتبہ یہ حملہ بہت وسیع اور بھرپور ہوگا ——— اس لیے فیصلہ کُن بھی!

پیش کر غافل! عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورت استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)